اثبات جرم میں ماہرین کی رائے کی حیثیت: اسلامی قانون کی روشنی میں تحقیقی جائزہ

The Evidence of Expert Opinion in Criminal Proof: An Investigative Review in the Light of Islamic Law

ڈاکٹر زینب امین*

انعام الرحمٰن **

Abstract

In the present era, the means and resources that have been invented to check and verify the authenticity and authenticity of the events have been used in the context of the opinion of the experts. As a result, there has been a huge increase in the number of convictions, such as post-mortem, fingerprints, footprints, hair analysis, video and audio chemical examination of images and sound recordings. X-ray DNA test, identification of writings, copying of documents through Photostat etc. Their effective role in proving crime is not possible without any expert. And the opinion of the expert in the relevant field is based on these verses. Therefore, not every person or people working in law enforcement agencies are aware of them and the opinion of experts in this regard is sought. In cases where there is a lack of witnesses and evidence, experts in the field of crime give opinions on the basis of evidence and signs, and are usually judged on the basis of Islamic law. Opinion: Is the presence of such evidence a proof of guilt? What are the views of the jurists in this regard? It is necessary to review the opinion of the experts in the context of Islamic law in sections 2 and 3 of the law of martyrdom.

Keywords: *Expert opinion Criminal Proff, Investigative review, Islamic Law*

موجودہ دور میں واقعات کی صحت وصداقت اور اثبات جرم کی جانچ پڑتال اور پرکھنے کے لیے جو ذرائع اور وسائل ایجاد ہو چکے ہیں، اثبات جرم میں ان سے استفادہ ماہرین کی رائے کے تناظر میں انتہائی ضروری قرار دیا گیا ہے۔ جدید دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے نتیجہ میں اثبات جرم میں بڑی وسعت پیدا ہو چکی ہے، مثلاً پوسٹ مارٹم، ہاتھوں کے نشانات (Finger Prints) پاؤں کے نشانات، بالوں کا تجزیہ، ویڈیو اور آڈیو کیسٹ کے ذریعہ تصاویر اور آوازوں کی ریکارڈنگ، اشیاء کا کیمیائی تجزیہ (Chemical Examination) ایکسریز DNA ٹیسٹ، تحریروں کی شناخت، فوٹو اسٹیٹ کے ذریعہ دستاویزات کی نقول وغیرہ ذرائع اثبات جرم میں ان کا مؤثر کردار وہ بھی کسی ماہر کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور متعلقہ شعبہ کے ماہر کی رائے ان قرائن کی بنیاد پر ہوتی ہے، اس لیے ہر شخص یا قانون نافذ کرنے والے اداروں میں کام کرنے والے افراد ان سے واقف نہیں ہوتے اور اس حوالے سے ماہرین کی رائے Experts Opinion طلب کی جاتی ہے۔ مقدمات میں جب کسی قضیہ میں گواہ اور عینی شہادتیں مفقود ہوں تو وہاں اثبات جرم میں ماہرین قرائن وعلائق اور آثار وعلامات ہی کی بنیاد پر رائے دیتے ہیں اور عموماً ان پر فیصلے کیے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں قرآن وسنت اور اسلامی قانون میں ماہرین کی رائے ایسے قرائن کی موجودگی ہو یا قیافہ شناسی کی، اثبات جرم میں تسلیم کیا گیا ہے؟

---

* اسسٹنٹ پروفیسر علوم اسلامیہ، شہید بے نظیر بھٹو ویمن یونیورسٹی پشاور۔

** ایم فل ریسرچ سکالر شعبہ اسلامیات، پشاور یونیورسٹی۔

اس ضمن میں فقہاء کی آراء کیا ہیں؟ قانون شہادت ۱۹۸۴ کی دفعات ۵۹ اور ۶۰ میں ماہرین کی رائے کا جائزہ اسلامی قانون کے تناظر میں لینا ضروری ہے۔

رائے کا لغوی معنی:

لغت میں رائے کا معنی نظر، علم، اعتقاد، ظن کے ہیں۔ رائے مصدر ہے مشہور لغوی ابن منظور (۷۱۱ھ) نے رائے کی لغوی تعریف میں لکھا ہے کہ: "رأي الشيء يراه رايا"[1]۔ اس سے معلوم ہوا کہ رائے مصدر ہے۔

رائے کی مزید تصریح کرتے ہوئے وہ بیان کرتے ہیں کہ مصدر کا استعمال مفعول پر ہی غالب آگیا ہے جیسے کہ "ھوی" دراصل مصدر ہے "ھویتہ ھو یہ ھوی" پھر استعمال اس شے پر ہونے لگا ہے جس کی خواہش اور چاہت کی جائے یعنی مفہوم پر۔ عربی میں کہتے ہیں "ھذا ھوی فلان" تو مراد اس مفہوم ہوتا ہے۔ عرب میں فعل رویت کی محل کے اعتبار سے مصدر میں فرق کیا گیا ہے۔ لہذا کہتے ہیں "رای کذا فی النوم رؤیا" یہ چیز خواب میں دیکھی اور کہتے ہیں "راہ فی الیقظۃ رؤیہ" جاگتے میں اس نے یہ منظر دیکھا "رای کذا" اس وقت کہتے ہیں جب دل سے جان لے اور آنکھ سے نہ دیکھا ہو[2]۔

لیکن اس میں بھی یہ تخصیص کی ہے کہ دل فکر و غور کے اور ٹھیک بات کی پہچان لینے کی طلب کے بعد دیکھے اس چیز کی بابت جس میں نشانیاں اور علامتیں بہت سی ہوں۔ اب کوئی شخص اپنے دل سے کسی چھپی ہوئی بات کو دیکھ لے تو کبھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اس کی رائے ہے۔

یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لفظ بمعنی نظر، علم، اعتقاد، ظن وغیرہ کے لیے بولا جاتا ہے[3]۔ امام راغب (م ۵۰۲ھ) لکھا ہے کہ: "**الرَّأْيُ: اعتقاد النّفس أحد النّقيضين عن غلبة الظّنّ**"[4]۔ یعنی دو نقیضوں میں سے کسی ایک کے حق میں ظن کی ترجیح۔

ابو الفتح ناصر (م ۶۱۰ھ) نے بیان کیا ہے:

"الرَّأْيُ مَا ارْتَآهُ الْإِنْسَانُ وَاعْتَقَدَهُ"[5]۔

یعنی رائے اس نظریے اور اعتقاد کو کہتے ہیں جس کو انسان اختیار کرتا ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ ہر شخص کا کوئی نظریہ یا اعتقاد ضرور ہوتا ہے اسی کی طرف علامہ شبیر احمد عثمانی (م ۱۹۴۹ء) نے یوں اشارہ کیا ہے کہ رائے کے معنی دل کی نظر اور بصیرت کے ہیں کہا جاتا ہے کہ رائے رایا اس نے دل کے ساتھ دیکھا اور رائے رؤیا بغیر تنوین کے اس نے خواب میں دیکھا اور رای رؤیتہ اس نے آنکھوں سے دیکھا[6]۔

اصطلاح میں رائے سے مراد:

اصطلاح میں قیاس، رائے اور اجتہاد باہم مترادف ہیں، مگر زیادہ محتاط اور اصولی استعمال میں ہر رائے کو قیاس نہیں کہا جا سکتا۔ اگرچہ ہر قیاس ایک طرح کی رائے ہے۔ شروع شروع میں رائے لفظ "قیاس" کے مترادف کے طور پر استعمال ہوتا رہا مگر آگے چل کر اس کے معنی صرف استدلال عقلی یا تمثیل کے لیے کیے جانے لگے[7]۔

اس ضمن میں شاہ ولی اللہ (م ۱۷۶۲ء) نے لکھا ہے:

" رائے سے نفس فہم اور عقل مراد نہیں کیونکہ اس سے اہل علم میں کوئی بھی عاری نہیں ہوتا اور اس رائے سے ایسی بھی مراد نہیں جس کی بنیاد سنت پر بالکل مبنی نہ ہو کیونکہ ہر گز کوئی مسلمان اس کو اپنے لیے گوارہ نہیں کرتا اور اس سے استنباط اور قیاس پر قدرت بھی مراد نہیں "[8]۔

رائے بسبب اجتہاد کے حوالے سے مجتہدین نے اجتہاد، تفقہ اور استنباط کی بنیاد پر رائے دی تو اسی سے اہل الرائے کی اصطلاح مشہور ہوئی۔ اس ضمن میں شہرستانی (م ۵۴۸ھ) نے لکھا ہے:

" اصحاب الرائے اہل عراق ہیں جو ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کے اصحاب ہیں۔۔۔ اوران کا نام اصحاب الرائے اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ قیاس کی علت کی جستجو میں خاص اہتمام کرتے ہیں اور اس معنی کے حاصل کرنے کے درپے ہوتے ہیں جو احکام سے مستنبط ہوتا ہے اور حوادث کو ان پر مبنی قرار دیتے ہیں اور کبھی وہ قیاس جلی کو خبر واحد پر مقدم بھی کر دیتے ہیں امام ابو حنیفہ نے خود فرمایا کہ ہمارا یہ علم رائے ہے جس پر ہم پوری سعی کے ساتھ قادر ہوئے ہیں اگر کوئی شخص اس کے علاوہ کوئی اور رائے رکھتا ہے تو اس کو حق پہنچتا ہے جیسا کہ ہمیں رائے کا حق ہے "[9]۔

شہرستانی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

" اوران کا نام اصحاب الرائے اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ قیاس کے علت کی جستجو میں خاص اہتمام کرتے ہیں اور اس معنی کے حاصل کرنے کے درپے ہوتے ہیں جو احکام سے مستنبط ہوتا ہے اور حوادث کو ان پر مبنی قرار دیتے ہیں "[10]۔

اس تناظر میں ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) کی رائے سے متعلق موقف یہ ہے:

" فاستكثروا من القياس ومهروا فيه فلذلك قيل أهل الرّأي "[11]۔

یعنی انہوں نے بکثرت قیاس سے کام لیا اور اس میں ان کو مہارت حاصل ہوگئی اور اسی مہارت فی القیاس کی وجہ سے ان کو اہل الرائے کہا جاتا ہے۔

اسی طرح رائے سے متعلق حافظ ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے ربیعۃ بن ابی عبد الرحمن کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے نسبت الرائی اس وجہ سے ہے وہ امام، حافظ، فقیہ اور رائے قیاس کے بڑے ماہر تھے اسی لیے ان کو ربیعۃ الرائی کہا جاتا ہے[12]۔

لہذا یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اصحاب الرائے کو اصحاب الرائے اس لیے نہیں کہا جاتا کہ وہ اپنی رائے کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں بلکہ وہ اس لیے اصحاب الرائے کہلاتے ہیں کہ ان کی رائے بڑی گہری ہوتی اور حدیث کے مشکل معانی کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

شریعت میں رائے کی حیثیت:

اسلامی شریعت کے فقہی ارتقاء میں ایک زمانہ ایسا آیا جس میں معاشرتی تقاضوں کے تحت نئے مسائل کے بارے میں فیصلوں کی ضرورت پڑی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین و تابعین جب کتاب و سنت میں کوئی واضح حکم نہیں پاتے تھے تو مجبوراً نظائر سابقہ کی بناء پر

اپنی رائے استعمال کرتے تھے۔ ان کے نزدیک رائے کے معنی یہ تھے کہ کسی مشابہ معاملے میں دین کے قواعد عامہ پر قیاس کر کے کوئی حکم دینا۔

اس سلسلے میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کی ایک حدیث کا حوالہ دیا جاتا ہے آپ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی مقرر کرتے وقت پوچھا: "اگر کوئی مسئلہ فیصلے کے لیے تمہارے سامنے آئے تو تم اس کا فیصلہ کس طرح کرو گے؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "کتاب اللہ کے مطابق" آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: " اگر کتاب اللہ میں اس کا جواب نہ ملے تو؟" معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق" آپ ﷺ نے پوچھا: " اگر تم اس کا جواب نہ کتاب اللہ میں پاؤ اور نہ ہی سنت رسول اللہ ﷺ میں تو؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اس وقت میں بلا تامل اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا"۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے کو ٹھیک کر کے فرمایا: " الحمد اللہ کہ اللہ نے آپ سے وہی جواب دلایا جو رسول اللہ کی مرضی کے مطابق ہے"[13]۔

ابن عبد البر نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

" وَحَدِيثُ مُعَاذٍ صَحِيحٌ مَشْهُورٌ رَوَاهُ الْأَئِمَّةُ الْعُدُولُ وَهُوَ أَصْلٌ فِي الِاجْتِهَادِ وَالْقِيَاسِ عَلَى الْأُصُولِ "[14]

"یعنی حضرت معاذ کی یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے اسے عادل ائمہ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث اجتہاد اور قیاس علی الاصول کے لیے ایک اصل اور مدار ہے۔"

اس سے یہ ثابت ہوا کہ جن نوازل و حوادث اور مسائل پر قرآن و حدیث سے روشنی نہ پڑتی ہو ان میں کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد رائے سے کام لینا نہ صرف یہ کہ جائز ہی ہے بلکہ اس پر جناب رسول اللہ ﷺ خوش بھی ہوئے۔ حضرت معاذ کے صراحتاً اجتہد رائے پر نبی کریم ﷺ نے اپنی رضا اور باری تعالی کی رضا مہر ثبت کر دی ہے۔

اس طرح ابن سعد (م ۲۳۰ھ) نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کا معمول یہ تھا کہ اگر ان کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ سب سے پہلے قرآن کریم سے اس کا حل تلاش کرتے اگر نہ ملتا تو پھر سنت رسول ﷺ سے اس کا حل تلاش کرتے اور اگر سنت سے بھی اس کا حل نہ ملتا تو پھر آپ رضی اللہ عنہ اپنی رائے سے اسے حل فرماتے[15]۔

اور یہ بھی ثابت ہے آپ رضی اللہ عنہ ماہرین سے کسی مسئلہ میں بھی رائے طلب کرتے اور پھر ان کے رائے کے روشنی میں نئے مسئلہ کا حل اتفاق رائے سے حل کرتے۔ اس ضمن میں دارمی (م ۲۵۵ھ) نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عمل کو یوں بیان کیا ہے:

" فَإِنْ أَعْيَاهُ أَنْ يَجِدَ فِيهِ سُنَّةً مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، جَمَعَ رُءُوسَ النَّاسِ وَخِيَارَهُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ، فَإِذَا اجْتَمَعَ رَأْيُهُمْ عَلَى أَمْرٍ، قَضَى بِهِ "[16]

"یعنی جب کوئی مسئلہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوتا اور اس اہم معاملہ میں کتاب وسنت میں تلاش کرتے اگر وہاں سے آپ کو حل نہ ملتا تو آپ امت کے ماہر وفتین افراد کو جمع کرتے اور ان سے رائے طلب کرتے اور اسی پر فیصلہ کرتے۔"

اسی طرح حضرت عمر فاروق نے رائے کا استعمال کیا ہے یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ایسے مسائل میں جن میں نص موجود نہ ہوتی فتوی دیتے تو فرماتے تھے کہ یہ عمر کی رائے ہے اگر درست ہوئی تو اللہ تعالی کا احسان ہوگا اور اگر خطا ہوئی تو عمر کی خطا سمجھنا[17]۔

شریعت میں رائے کے حیثیت کے بارے میں ابن القیم (م ۷۵۱ھ) نے لکھا ہے کہ رائے کی دو اقسام ہیں ایک تو رائے باطل ہے دو دین میں سے نہیں اور ایک رائے حق ہے جس کے بغیر مجتہدین کو چارہ نہیں۔ وہ اس کی تفصیل میں لکھتے ہیں کہ رای اور اصل مصدر رائی الشیء یراہ رایا پھر مصدر کا استعمال مفعول پر ہی غالب آگیا ہے جیسے کہ اھوی دراصل مصدر ہے اھوی یہ ھوی یہ ھوی۔ پھر مصدر کا استعمال اس شے پر ہونے لگا ہے[18]۔

حقیقت میں رائے کی تین قسمیں ہیں، باطل رائے۔ صحیح رائے اور شبہ والی رائے، ان تینوں قسموں کی طرف سلف کا اشارہ بھی موجود ہے پس صحیح رائے تو استعمال میں بھی لی ہے اس پر عمل بھی کیا ہے اس کے مطابق فتوی بھی دیا باطل رائے کی مذمت کی ہے اس پر عمل کرنا، فتوی دینا اور اس پر فیصلہ کرنے سے منع کیا ہے۔

تیسری قسم کے مطابق فیصلہ اسی وقت جائز ہے جب انسان اس کی طرف مجبور ہو جائے اور کوئی طریقہ یا راستہ ملے ہی نہ لیکن تاہم کسی پر سلف نے اس کا مان لینا ضروری قرار نہیں دیا نہ اس کی مخالفت حرام کہی ہے نہ اس کے مخالف کو دین کا مخالف سمجھا ہے بلکہ غایت یہ ہے کہ اسے ماننے نہ ماننے کا اختیار ہے۔ پس اس رائے کو ایسا ہی سمجھے جیسے مضطر کے لیے ضرورت و مجبوری کے وقت بعض حرام چیزوں کا استعمال جائز کر دیا ہے[19]۔

اثبات جرم میں ماہرین کی رائے:

ماہر Expert: ماہر سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے فن یا پیشہ میں ایک خاص مہارت وشعور رکھتا ہو جیسے سرجن جراحی میں اور معمار فن تعمیر میں۔ اثبات جرم میں ماہر کی رائے سے مراد یہ ہے کہ ایسے شخص کو عدالت میں اس غرض سے بلایا جاتا ہے کہ وہ متنازعہ امر میں اپنے ماہرانہ شہادت دے۔ جہاں کہیں عدالت کو کسی غیر ملک قانون سائنس یا آرٹ سے متعلق یا تحریر شناخت سے متعلق کوئی رائے قافیہ کرنا ہوتی ہے تو ایسے ماہرین کی رائے مناسب اور اور محل سمجھی جاتی ہے[20]۔

ماہرانہ شہادت Expert evidence سے متعلق قانون میں بات واضح ہے کہ ماہرین کی شہادت قابل ادخال ہوتی ہے اس کے خلاف توہین زبانی کی نالش نہیں ہو سکتی۔ یعنی ماہر فن گواہ Expert Witness سے ایسا شخص مراد ہے جس کو کسی معاملہ زیر تحقیقات میں اس لیے طلب کیا گیا ہو کہ وہ اس معاملہ میں خصوصی علم یا خصوصی فہم رکھتا ہے[21]۔ گواہ پر، جو ماہر فن کی حیثیت سے پیش ہو، یہ بتلانا فرض ہے کہ اسے اس کام کی کیا خصوصی تربیت یا تجربہ حاصل ہے۔

لفظ ماہر فن نمایاں خصوصیت کا حامل ہے اس لیے ہر کسی کو عدالت میں اظہار رائے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، بجز اس کے کہ قانون شہادت کی دفعہ ۴۵ کے بموجب اس پر ماہر فن کا اطلاق ہوتا ہو۔[22] جب کسی ماہر فن کو عدالت میں بطور گواہ طلب کیا جائے تو اس کو سفر خرچ اور دیگر اخراجات دلائے جائیں گے[23]۔ کسی ماہر فن کو اپنا مختار بنا کر عدالت میں پیش کر سکتا ہے۔

اگر جج یا حاکم ان ماہرین کی رائے، جو قرآئن[24] وعلامات سے صرف نظر کرے تو حق کو ضائع کر دینے کا خدشہ ہو گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس طرح وہ باطل کی معاونت کا مرتکب ہو جائے۔ اگر توسع کرتے ہوئے اپنا تمام تر انحصار قرآئن وقیافہ[25] وفراست پر کھے اور انصاف کے شرعی اصولوں کو نظر انداز کر دے تو ظلم وفساد کی گمراہیوں میں مبتلا ہو جائے گا۔

واضح رہے کہ دین اسلام نے مقدمات میں قرآئن کو بطور اثبات جرم تسلیم کیا ہے بالخصوص جب کسی قضیہ میں گواہ اور عینی شہادتیں مفقود ہوں تو وہاں قرآئن وعلائق اور آثار جن کا تعین ماہرین کرتے ہیں پر فیصلے کیے جاتے ہیں۔

ابن قیم الجوزیہ (۷۵۱ھ) لکھا ہے اگر ایک جج علامات وقرآئن اور دلائل حال ومقال کا اس طرح فہم حاصل نہ کرے جس طرح وہ احکامات کے کلیات اصول وتفاصیل اور جزئیات کا فہم رکھتا ہے تو وہ حقداروں کے حقوق کو ضائع کرے گا اور اس قسم کے غلط فیصلے کرے گا جن کی غلطی عوام تک پر ظاہر ہو گی[26]۔

نواب صدیق حسن خان (۱۳۰۷ھ) نے لکھا ہے کہ ایسا ماہر جو یہ علم رکھتا ہو کہ دو شخصوں کے اعضاء وجوارح کی باہمی مشارکت ومماثلت کی بنیاد پر نسب ولادت پر استدلال کرتا ہے[27]۔

طاش کبری زادہ نے لکھا ہے کہ طبی مباحث میں یہ بات ثابت ہے کے ماہر قیافہ کی رائے کی بنیاد بچے اور اس کے والدین کے مابین مشابہت ومماثلت تلاش کرنے پر ہے۔ کبھی کبھار تو یہ مشابہت اتنی واضح ہوتی ہے کہ ہر شخص اسے پہچان لیتا ہے اور بسا اوقات یہ ایسی مخفی ہوتی ہے کہ اسے صرف ماہر لوگ ہی پہچان سکتے ہیں۔ قوت باصرہ اور قوت حافظ کی مدد سے اس مشابہت کا ادراک کیا جاتا ہے اور یہی جہ ہے کہ اس علم میں لوگوں کی مہارت میں تفاوت پایا جاتا ہے یعنی جس کی یہ قوتیں قوی ہوں گی وہ زیادہ ماہر اور جس کی یہ قوتیں ضعیف ہوں گی وہ نسبتاً کم ماہر ہو گا اور جس کی یہ دونوں قوتیں (باصرہ وحافظ) کمال درجہ کی ہوں اس کے لیے کسی چیز کی پہچان میں شبہ نہیں ہو گا۔ یہ علم عرب قبائل میں پایا جاتا تھا اور غیر عربوں میں اس کا وجود نادر ہے[28]۔

اس لیے جرجانی (م ۸۱۶ھ) نے لکھا ہے کہ قائف وہ شخص ہے جو اپنی فراست اور نومولود کے اعضاء کا جائزہ لیتے ہوئے نسب کو پہچانتا ہے[29]۔ اس میں قیافہ کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں یعنی ایک قیافہ البشر اور دوسرا قیافہ الاثر۔

قیافہ بشر میں ظاہری مشابہت اور جسمانی خدوخال کی مناسبت سے یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ یہ بچہ کس شخص کا ہے اور یہ اس وقت کیا جاتا ہے جب کسی بچے کا نسب مشکوک ہو جائے یا کسی بچے پر ایک سے زیادہ اشخاص باپ ہونے یا پھر اس کے برعکس باپ نہ ہونے کا دعوی کریں جب کہ یہ بات بھی قطعی ہو کہ بچہ انہی میں سے کسی ایک کا ہے ایسے مشتبہ معاملہ میں قیافہ البشر کے ماہر کی رائے پر فیصلہ دیا جاتا ہے۔

قیافہ الاثر میں گمشدہ، جانوروں یا مجرموں کے پاؤں کے نشانات یا جائے حادثہ کا جائزہ لیتے ہوئے مختلف آثار و نشانات کی مدد سے مطلوب تک رسائی حاصل کی جاتی ہے۔

عموماً قانون میں اس کے لیے Investigator کا لفظ استعمال ہوتا ہے، یعنی موجودہ دور میں بھی ماہر طبیب (ڈاکٹر) فوج اور پولیس میں تعلیم و تعلم پر فہم و فراست پر مبنی رائے کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ شرعی نکتہ نظر سے اگر جائزہ لیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ قیافہ شناسی جائز ہی نہیں بلکہ بعض حالات میں ناگزیر صورت اختیار کر جاتی ہے اور بالعموم قاضیوں (ججوں) کو اس سے ضرور واسطہ پڑتا ہے گو وہ خود قیافہ شناسی میں ماہر نہ ہوں لیکن کسی مشتبہ معاملہ میں جہاں قیافہ شناسی ہی صورت حال کو واضح کر سکتی ہو وہاں کسی ماہر قیافہ شناس سے مدد لینا بہر حال مشروع ہے۔ فقہاء نے اس سلسلہ میں اس طرح کی مثالیں ذکر کی ہیں کہ کسی معتدہ سے کوئی شخص شادی کرے جب کہ اسے اس سے پہلے یا بعد میں حیض نہ آئے تو اب اس سے پیدا ہونے والا بچہ پہلے خاوند کی طرف منسوب ہو گا یا دوسرے کی طرف؟ یا کہیں سے گمشدہ بچہ ملے اور وہ دو آدمی اس پر مدعی ہو جب کہ دونوں میں سے کسی کے پاس بھی اپنے حق میں کوئی دلیل نہ ہو یا دونوں کے پاس برابر کے دلائل ہوں تو ایسی صورت میں کس مدعی کے حق میں فیصلہ کیا جائے؟

مذکورہ صورتیں اثبات نسب سے تعلق رکھتی ہیں لیکن اسی طرح کی بعض پیچیدہ صورتیں دیگر دیوانی اور فوجداری جرائم میں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ ایسی تمام صورتوں میں ماہرین کی رائے پر فیصلہ قابل اعتبار ہو گا۔ اگرچہ فقہائے احناف اثبات نسب میں قیافہ شناس کے قول کو حجت تسلیم نہیں کرتے کیونکہ مذکورہ صورت میں ماہر قیافہ کا فیصلہ شبہ کی بنیاد پر ہوتا ہے[30]۔ تاہم ائمہ ثلاثہ، جمہور فقہاء ان صورتوں میں بھی ماہر قیافہ کے قول کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔ جب کہ ان صورتوں میں کوئی معارض یا مانع نہ ہو۔

قیافہ الاثر کے معتبر و مشروع ہونے میں فقہاء میں اختلاف نہیں پایا جاتا اور یہی وجہ ہے کہ مجرموں تک رسائی پانے اور ان کا سراغ لگانے کے لیے کھوجی **(Investigator)** یا مشینوں (جدید آلات) اور ذہین و فطین لوگوں کی فہم و فراست اور گہری بصیرت کا بطور ماہر کی رائے سے استفادہ کو جائز قرار دیا ہے بلکہ اسی صورت میں فرض کفایہ بھی کیا گیا ہے۔

ماہر فن کی رائے بطور شہادت: **Experts Opinion As A Witness:**

قانون شہادت ۱۹۸۴ء آرٹیکل ۵۹ ماہرین کی آراء **(Opinions of Experts)** میں اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب عدالت کو کسی غیر ملکی قانون یا سائنس یا آرٹ کے مسئلہ پر یا خط تحریر یا نشانات انگشت[31]۔ یا کسی معلوماتی سسٹم کے ذریعے یا کسی طرف سے مرتب کردہ برقیاتی دستاویزات کی صداقت اور ملکیت کی شناخت کے بارے میں اپنی رائے قائم کرنی ہو تو اس مسئلہ پر ان اشخاص کی آراء جو مذکورہ غیر ملکی قانون، سائنس یا آرٹ میں یا خط تحریر کی شناخت یا نشانات انگشت سے متعلق سوالات میں خاص مہارت رکھتے ہوں واقعات متعلقہ میں ایسے اشخاص ماہرین کہلاتے ہیں[32]۔

مغربی ماہر قانون و نقاد ہربرٹ بروم نے ماہر فن کی رائے سے متعلق لاطینی قاعدہ ذکر کیا ہے:

(Lt) *Cuilibet in sua arte perito est credendum* (Eng) Credence should be given to one skilled in his peculiar profession.[33]

یعنی ایک شخص جو اپنے خاص پیشہ میں مہارت رکھتا ہو، اعتبار کا مستحق ہوتا ہے۔

مطلب یہ کہ نشانات انگشت کی نسبت ماہرین کی رائے اس اصول پر قبول کی جاتی ہے کہ جو شخص اپنے فن کا ماہر ہے اس کا اعتبار کرنا چاہیے کیونکہ جب کبھی ایسے امور تنقیح طلب ہوں کہ عام لوگ ان کے متعلق ماہرین کی رائے کے بغیر صحیح فیصلہ کرنے کے قابل نہ ہوں تو ماہرین کی رائے لی جانی چاہیے۔

دفعہ ہذا میں بطور تمثیل یہ پیش کی گئی ہے:

a) The question is, whether the death of A was caused by poison. The opinion of experts as to the symptoms produced by the poison by which A is supposed to have died, are relevant

الف: امر تحقیق طلب یہ ہے کہ (الف) کی موت زہر دینے کے باعث واقع ہوئی یا نہیں۔ اس زہر کی علامات کی نسبت جس سے الف کا ہلاک ہونا مقصود کیا جاتا ہے ماہرین کی آراء و اقعات متعلقہ ہیں۔

certain act, was by reason of unsoundness of mind, incapable of knowing the nature of the act, or that he was doing what was either wrong or contrary to law.

The opinions of experts upon the question whether the symptoms exhibited by A commonly show unsoundness of mind, and whether such unsoundness of mind usually renders persons incapable of knowing the nature of the acts which they do, or of knowing that what they do is

either wrong or contrary to law, are relevant۔

امر تحقیق طلب یہ ہے کہ کہ جب الف نے فلاں فعل کیا تھا تو آیا وہ فتور عقل کے باعث مذکورہ فعل کی نوعیت یا امر جاننے کے صلاحیت رکھتا تھا یا نہیں کہ جو فعل وہ کر رہا ہے' وہ یا تو بے جا ہے یا خلاف قانون۔

اس امر کی نسبت ماہرین کی آراء کو کہ وہ علامات جو الف سے ظاہر ہوئیں معمولاً فتور عقل کی ہوتی ہیں یا نہیں اور آیا مذکورہ فتور عقل سے لوگ اکثر اس بات کے جاننے کے قابل نہیں ہوتے کہ ان سے سرزد ہونے والے افعال کس نوعیت کے ہیں یا یہ کہ جو کچھ وہ کرتے ہیں یا تو بے جا ہے اخلاف قانون' واقعہ متعلقہ ہیں۔

b) The question is, whether a certain document was written by A. Another document is produced which is proved or admitted to have been written by A. The opinions of experts on the question whether the two documents were written by the same person or by different persons, are relevant.[34]

امر تحقیق طلب یہ ہے کہ کہ آیا فلاں دستاویز الف کی لکھی ہوئی ہے یا نہیں ایک دوسری دستاویز پیش کی گئی ہے جسے الف کی تحریر کردہ ثابت یا تسلیم کیا گیا ہے۔ اس سوال کے بارے میں ماہرین کی آراء کہ آیا دونوں دستاویزات ایک ہی شخص کی لکھی ہوئی ہیں یا الگ الگ اشخاص کی واقعہ متعلقہ ہیں۔

حالانکہ عام اصول یہ ہے کہ کسی گواہ کی رائے شہادت میں ناقابل ادخال ہوتی ہے یعنی اس کی رائے واقعہ متعلقہ نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ ہے کہ عدالت کا فیصلہ محض خیال یا رائے سے زیادہ ٹھوس بات پر مبنی ہونا چاہیے۔ نیز اگر گواہ جھوٹ بولے تو بعد میں اس پر دروغ

حلفی کا مقدمہ نہیں چلایا جاسکتا۔ اگر گواہ کو یہ اجازت مل جائے کہ وہ اپنی رائے بیان کرے تو اس طرح عدالت کا فرض گواہ سنبھال لے گا اور عدالت اپنا صحیح فرض ادا نہ کر سکے گی۔ لہٰذا گواہ صرف ان ہی واقعات کی شہادت دے سکتا ہے جن کا اس کو ذاتی علم ہو۔ اسی طرح قانون شہادت کا یہ عام اصول ہے کہ شہاد بالواسطہ کو نہیں سننا چاہیے خصوصاً جب کہ شہادت بلاواسطہ پیش کی جاسکتی ہے اور پیش نہ کی گئی ہو۔ سوا کر واقعات کے متعلق رائے قابل ادخال شہادت ہو جائے تو شہادت میں واقعات نہیں بلکہ ان کے متعلق آراء یعنی شہادت بالواسطہ پیش ہو گی اور بلاواسطہ شہادت کے اصول پر عمل نہیں ہو گا۔ واقعات کے متعلق پہلوؤں کا مقابلہ نہیں ہو گا۔ واقعات کے مختلف پہلوؤں کا مقابلہ کرے کی رائے قائم کرنا جج کا فریضہ ہے نہ کہ لوگوں کا۔

شریعت کی رو سے جس طرح فوجداری جرائم میں ماہرین اور Investigator کی خدمات جائز مشروع ہیں اسی طرح دیوانی مقدمات میں بھی ان کی مدد سے فیصلہ کرنا مشروع ہے' ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) نے لکھا ہے کہ جس طرح کسی گمشدہ چیز پر دو آدمی مدعی ہو تو اس چیز کے صحیح اوصاف بتانے والے کے حق میں ہم فیصلہ دیں گے یہ قیافہ سے ملتی جلتی صورت ہے۔ اسی طرح اگر دو آدمی کسی پودے یا کھجور کے بارے میں جھگڑا کریں جب کہ وہ ان دونوں کے ہاتھ (قبضہ) میں ہو تو اس جھگڑے کا فیصلہ اہل خبر یعنی کھوجی یا ماہرین صاحب فہم لوگ کریں گے۔ اسی طرح جیسے نسب کے جھگڑے میں ماہرین کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ ویسے ہی دیگر مقدمات و معاملات میں ان کی طرف رجوع کیا جائے گا اور یہ اسی وقت ہو گا جب مدعی برابر درجہ کے ہوں[35]۔

قانون میں ماہر کی تعریف یہ کی ہے کہ ماہر اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی خاص پیشہ یا کلام میں جس کے بارے میں انکوائری ہو رہی ہو خاص علم یا مہارت رکھتا ہو[36]۔ کسی ایسے ماہر کی رائے جس نے کسی سکول یا کالج میں ٹریننگ حاصل نہ کی ہو بلکہ اپنی ملازمت کے دروان علم حاصل کیا ہو۔ کوئی وقعت نہیں رکھتی[37]۔

ڈاکٹر تنزیل الرحمن نے لکھا ہے کہ ایسے ماہر کو عدالت میں اس غرض سے بلایا جاتا ہے کہ وہ متنازعہ امر میں اپنی ماہرانہ شہادت دے۔ جہاں کیس عدالت کو کسی غیر ملکی قانون سائنس یا آرٹ سے متعلق یا تحریر کی شناخت سے متعلق کوئی رائے قائم کرنا ہوتی ہے تو ایسے ماہرین کی رائے مناسب اور بر محل سمجھی جاتی ہے[38]۔

ابن قیم رحمہ اللہ نے ماہر کی دو قسمیں ہیں بتائے ہے' یعنی جن سے انسان مفتی اور حاکم بن کر حق فتوی اور سچا حکم دے سکتا ہے۔ ایک تو نفس واقعہ کو صحیح طور پر سمجھ لینا' حقیقت تک قرائن علامات اور نشانات سے پہنچ جانا اور پورا واقعہ ذہن نشین کر لینا۔ دوسرا واقعہ کا حکم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے سمجھ لینا پھر ایک کو دوسرے سے ملا دینا[39]۔

قانون ملک غیر میں ماہرین کی رائے اثبات جرم کی بابت میں کامن لاء ہے کہ قانونی ملک غیر کو ثابت کرنے کے لیے محض اتنا کافی ہوتا ہے کہ اگر کسی ایسے گواہ کو پیش عدالت کیا جائے جو کہ اس ملک کے قانون کی مہارت رکھتا ہو۔ لیکن پاکستان میں ثابت کرنے کے لیے یا تو قانون شہادت ۱۸۷۲ء دفعہ ۴۵ بروئے ایکٹ شہادت کے تحت کسی ایکسپرٹ کو پیش کیا جاتا ہے۔ اُس ملک کی حکومت کی طرف سے شائع شدہ کتب یا اس ملک کی عدالت کے شائع شدہ فیصلہ جات کو پیش کیا جاتا ہے۔ جبکہ غیر ملک کے قانون باقاعدہ طور پر شائع شدہ مل سکیں تو اُس صورت میں' اس قانون کے ماہر کو طلب کرنا غیر ضروری ہو گا[40]۔

جب کسی شخص نے ملک غیر کے قانون کا علم محض کتابوں سے حاصل کیا ہو لیکن اسے کوئی ذاتی تجربہ نہ ہو تو ایسے شخص کی رائے کی کوئی وقعت نہیں ہے[41]۔ گواہ جس کو ملک غیر کا قانون ثابت کرنے کے لیے طلب کیا جاتا ہے یا تو باقاعدہ وکیل ہو یا سرکاری طور پر ایسے عہدہ پر فائز ہو جس میں اسے ملک کے قانون سے سابقہ پڑتا ہو کسی غیر ملک کے جج یا بیرسٹر جو کہ اس ملک میں پریکٹس کرتا ہو اس کی شہادت موثر ہے۔ لیکن اس برعکس محض کسی غیر ملک کا باشندہ ہونا اس کی شہادت کو موثر نہیں بنا دیتا تاوقتیکہ یہ ثابت نہ کیا جائے کہ اس کے شخص کو خاص طور پر اس ملکی کے قانون کی واقفیت حاصل ہے[42]۔

کسی گواہ کی شہادت قانون کی کسی شاخ کے ماہر کے طور پر نہیں لی جاسکتی سوائے جب کہ معاملہ کسی غیر ملکی قانون سے تعلق رکھتا ہو[43]۔ غیر ملک قانون کو ثابت کرنے کے لیے یا تو غیر ملکی ماہر قانون کو طلب کیا جائے یا پھر زیر آرٹیکل ۵۲ اس ملک کے مجموعہ قوانین اور نظائر کے حوالے سے پیش کیے جاسکتے ہیں، غیر ملکی ماہر قانون یا تو اسی ملک پیشہ ور وکیل ہو سکتا ہے یا کوئی عہدار جو بحیثیت عہدہ اس ملک ک قانون کا ماہر سمجھا جائے۔ صرف یہ بتادینا کافی نہیں ہوگا کہ گواہ غیر ملکی قانون جانتا ہے بلکہ یہ ثابت کرنا ہوگا کہ بحیثیت پوزیشن اور تربیت گواہ کے ماہر ہونے کا قیاس کیا جاسکتا ہے۔

فوجداری مقدمات میں ماہرین کی رائے:

قانون شہادت ۱۸۷۲ء دفعہ ۴۵ کی رو سے کسی شخص کی رائے جس کو کسی خاص پیشہ، تجارت یا دستاری کی خاص مہارت یا علم ہو وہ اس کے متعلق اپنی رائے دے سکتا ہے چنانچہ اسسٹمنٹ ماسٹر، سکوں کی بناوٹ اور اسکے معلق اوزارات کے ٹھیک طور پر بطور ماہر رائے دے سکتا ہے[44]۔

اسی طرح موجودہ دور میں پراپرٹی ڈیلر جس کو اراضی کی قیمت کے متعلق بطور ایکسپرٹ رائے شہادت دینے کی اجازت دی جاسکتی ہے جب کہ عدالت کو اس جائیداد کی قیمت کے متعلق اپنی رائے قائم کرنی ہو۔ اس ضمن میں یہ واضح رہے کہ عدالت اس امر کی پابندی نہیں ہے کہ فریقین کے پیش کردہ ماہرین پر انحصار رکھے، عدالت کو حق حصال ہے کہ اپنی مرضی کے کسی ماہر طو طلب کرکے اس کی رائے حاصل کرے یا اسے تجربات کرنے کے لیے کہے۔ ایکسپرٹ کی شہادت ملزم کے بروبرو ہونی چاہیے اور فوجداری مقدمات میں اس کا بیان بذریعہ کمیشن حاصل نہ کیا جانا چاہیے، ماہر کی شہادت جب کہ وہ بذریعہ کمیشن حاصل کی گئی ہو کی وقعت بالکل کم ہو جاتی ہے[45]۔

اس ضمن عدالت ماہر گواہ سے وہ امور دریافت کرسکتی ہے جن پر اس کی رائے کا انحصار ہے اور اس کی رائے کو محض یہ خیال کرکے کہ چونکہ وہ ماہر کی رائے ہے بذاتہ ٹھیک تسلیم نہیں کرے گی۔ بلکہ اپنا نتیجہ خود اخذ کرے گی۔

میڈیکل یکسپرٹ (ڈاکٹر کی رائے بطور شہادت: عام طوپر ڈاکٹر کی رائے کو مقدمات فوجداری مقدمات میں بہت وقعت دی جاتی ہے، لیکن ڈاکٹر چاہے کتنا قابل ہی کیوں نہ ہو اس کی رائے محض اس کے خیالات ہیں۔ ڈاکٹر کی رائے بذاتہ خود استغاثہ کے کیس کو ثابت نہیں کرتی بلکہ تائیدی ہوتی ہے وہ یہ ثابت کرسکتی ہے کہ آیا ضربات اسی طرح سے لگائی جاسکتی تھیں۔ جس کا بیان کیا گیا ہے اور آیا ان ضربات کی وجہ سے موت واقع ہو سکتی تھی جب کہ ڈاکٹر کی رائے اور گواہان کے بیانات برائے وجہ موت یا ضربات وغیرہ ایک دوسرے کے برعکس ہوں تو اس صورت میں دوراستے ہیں یا تو عدالت گواہان کے بیان کو تسلیم کرکے اختلافات کو گواہان کی مبالغہ

آمیزی پر محمول کرے یا گواہان کی شہادت کو محض اس وجہ سے رد نہیں کر سکتی کہ ڈاکٹر کی رائے اس کے متضاد ہے[46]۔ گو ڈاکٹر کی رائے کی کافی وقعت ہے لیکن اسے اچھی وجوہات کی بناء پر رد کیا جاسکتا ہے[47]۔

اچھی ٹھوس قابل اعتماد چشم دید شہادت ایک ڈاکٹر کی رائے کے مقابلہ میں رد نہیں کی جاسکتی[48]۔ ایک مقدمہ قتل میں بلاواسطہ مضبوط شہادت پیش ہوئی کہ قتل فلاں جگہ ہوا۔ کیمیکل ایگزامیز کی رپورٹ آئی کہ مٹی' پتوں اور گھاس پر جو موقعہ سے اٹھا کر بھیجے گئے تھے کوئی انسان خون نہیں پایا گیا۔ قرار پایا کہ یہ رائے گواہان کی تردید کے لیے کافی نہیں[49]۔

فقہاء متعدد مسائل فوجداریت میں ایسی قرائنی شہادت جو ماہرین فن کے موجودگی میں ہو تسلیم کرتے ہیں مگر جمہور فقہاء مثلاً شوافع' احناف اور حنابلہ حدود میں قرائن یا ماہرین کے رائے بطور دلیل تسلیم نہیں کرتے کیونکہ شریعت کا منشاء یہ ہے کہ دم اور حدود کے معاملات میں احتیاط برتی جائے اور حدود شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں[50] جیسا کہ شریعت کا اصول ہے۔ اس ضمن میں وہ بعض احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں مثلاً ایک ایسی عورت کے متعلق جس کے بدکار ہونے بارے میں قرائن واضح طور پر شہادت دے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"لَوْ كُنْتُ رَاجِمًا أَحَدًا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ لَرَجَمْتُ فُلَانَةَ. فَقَدْ ظَهَرَ مِنْهَا الرِّيبَةُ فِي مَنْطِقِهَا وَهَيْئَتِهَا وَمَنْ يَدْخُلُ عَلَيْهَا"[51]

یعنی اگر میں گواہوں کے بغیر کسی کو رجم کر سکتا تو فلاں عورت کو ضرور رجم کر دیتا کیونکہ اس کی باتوں سے' اس ہیئت سے اور جن لوگوں کی اس کے پاس آمد و رفت ہے' ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زانیہ ہے۔

جدید سائنسی ترقی کے نتیجہ میں یہ ممکن ہو چکا ہے کہ کسی عورت کے متعلق یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ اس زنا کیا ہے یا نہیں؟ مرد عورت کی منی کے ذریعہ جو کپڑوں کے ساتھ لگی ہو تجزیہ کر کے بتایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے بدکاری کی ہے ویڈیو کیمروں کے ذریعہ ان تصاویر وغیرہ ہوں تو یہ جرم زنا کے اثبات کے لیے ایک قرینہ ہیں اگرچہ اس مقصد کے لیے ویڈیو کیمرے کا استعمال جائز نہیں مگر اسے قطعی قرینہ نہیں کہا جاسکتا ہے کیونکہ اس میں بھی دھوکے کا احتمال ہے البتہ دیگر شواہد کے ساتھ اس قرینہ سے شہاد کو تقویت مل سکتی ہے۔ یہاں ماہرین کے رائے بنسبت قرینہ کے زیادہ مؤثر ہو سکتا ہے۔

البتہ بعض اوقات کسی عورت کے ساتھ جبر اًزیادتی کی جاتی ہے اور ثبوت کے لیے کوئی گواہی موجود نہیں ہوتی' اور نہ عورت کے لیے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ زیادتی کرنے والے کے خلاف گواہ پیش کر سکے۔ اگرچہ اس کی مجبوری کو بناء پر شریعت نے حد سے مستثنیٰ ٹھہرایا ہے لیکن اس کے ساتھ جبر اًزیادتی بھی تو بہت بڑا ظلم ہے اور کتنی ہی عورتیں ہیں جن کے ساتھ جبر اًزیادتی ہوتی ہے اور گواہ موجود نہ ہونے کے وجہ سے بدکار مرد سزا سے بچ جاتے ہیں اور عورتوں کی عصمتیں ان کے ہاتھوں محفوظ نہیں رہتیں۔ مشاہدہ میں یہ بات آئی کہ بعض لڑکیوں کے سے بااثر لوگوں نے جبر اًزیادتی کی مجرم گواہ نہ ہونے کی وجہ سے بری ہوئے اور اس طرح ان لڑکیوں نے خودکشیاں کر لی تھی۔ اس طرح متعدد واقعات روز بروز پیش آتے رہتے ہیں' ان حالان میں عینی شہادت ہی پر اکتفار ہونا چاہیے یا اگر قرائن کے بناء پر ماہرین کے رائے جرم ثابت ہو تا تو مجرم کو سزا ملنی چاہیے؟ اس میں ماہرین کی رائے جو مختلف زاویے سے تفتیش کر بعد دی جاتی ہے قابل قبول ہونے چاہیے۔ جیسا کہ دفعہ ہذا میں ماہرین کی رائے کو قابل ادخال قرار دیا گیا ہے۔

جدید دور میں DNA ٹیسٹ کے ذریعے بچے کی ولدیت کے بارے میں بھی بتایا جاسکتا ہے کہ وہ کس کا بچہ ہے؟ اگر کسی عورت پر بدکاری کا الزام ہو اور اسے کسی مرد کے ساتھ متہم کیا جائے تو پیدا ہونے والے بچے کی ولدیت کی حقیقت اس ٹیسٹ کے ذریعے معلوم کی جاسکتی ہے اسی طرح اگر کوئی عورت کسی مرد سے زیادتی کا الزام لگائے اور اسے حمل ٹھہر جائے تو نومولود اور متہم شخص کے ٹیسٹوں سے اصلیت معلوم کی جاسکتی ہے۔

بعض اوقات قرائن انتہائی قطعی ہوتے ہیں وہاں عینی شہادتوں کے بھی جو ان کے بالمقابل ہوں رد کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً اگر چار گواہوں نے شہادت دی کہ فلاں عورت نے زنا کیا اور معائنہ کے بعد قابل اعتماد عورتوں نے بتلایا کہ عورت کنواری ہے تو نہ عورت پر زنا کی حد واجب ہوگی نہ گواہوں پر حد قذف لگائی جائے گی[52]۔

اسی طرح اگر ملزمہ کے متعلق میڈیکل رپورٹ جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ کنواری ہے' ان ڈاکٹروں کی طرف سے جاری ہو جو اپنے فن بہت ماہر اور اعتماد رکھتا ہیں۔ ان کے رائے بذریعہ رپورٹ عینی شہادت,ں کے برخلاف ہو تو یہ ایک قرینہ قاطعہ ہے جسے شہادتوں کے برخلاف قبول کرنا چاہیے۔ ماہرین کے رائے کا دار مدار موجودہ دور میں ان سائنسی آلات پر موقوف ہوتا ہے۔ از روئے فقہ پیش کبھی کچھ مخفی عوامل ایسے واقعات میں لاحق ہوتے ہیں۔ جو ظاہری طور پر امر واقعہ کے وقوع پر دلالت نہیں کرتے۔ تاہم اگر ان عوامل کو استصائی مراحل سے گزارا جائے تو ممکن ہے کہ اس قسم کے مقدمہ سے متعلق ظاری اشکال کے مقابلے میں اس قسم کے مخفی عوامل زیادہ باعتماد ثابت ہوں[53]۔

یہاں اس قسم کے قرینہ کسی امر کے وقوع یا عدم وقوع پر دلالت کرنے والی کوئی نشانی ہے جو بظاہر موجود نہ ہونے کے باوجود متعلقہ امر واقع کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ جس کا ماہرین کے تجزیہ سے اس واقع کو ثابت کرنے اور مجرم کی نشاندہی ممکن ہوسکتی ہے۔

اس حوالے سے زنا کا ایک مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوا۔ ملزمہ اپنے کپڑوں پر لگا ہوا مرد کا مادہ منویہ ایک نوجوان کے خلاف ثبوت زنا کے طور پر پیش کر رہی تھی' جب کہ نوجوان اس کا انکاری تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی سے مشورہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کپڑے پر لگے مادہ منویہ کا معائنہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کچھ تجسس لاحق ہوا ہو' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پانی ابالنے کی ہدایت کی ابلتا پانی کپڑے پر لگے مادہ منویہ پر ڈالتے گئے اور وہ سفید ہوتا گیا یہاں تک کہ کپڑے پر ایک سفید تہہ بن گئی' وہ دراصل انڈے کی سفیدی تھی جسے ملزم کو پھنسانے کے لیے ملزمہ کے کپڑوں پر لیپ دیا گیا تھا۔ وہ مادہ منویہ ہوتا تو گرم پانی پڑنے سے تحلیل ہو جاتا[54]۔ اس معلوم ہوا کہ ماہرین اپنی رائے اس چیز کے سمجھنے کے بعد ہی دیتے ہیں۔ اور جو بظاہر قرینہ نظر آتا ہے اس کے تناظر تحقیقی عمل کیا جاتا ہے۔

لہٰذا دفعہ ٦٠ قانون شہادت میں کہا گیا کہ واقعات جو خو بصورت دیگر واقعات متعلقہ نہ ہو' واقعات متعلقہ ہیں اگر وہ ماہرین کی آراء کی جب مذکورہ آراء واقعات متعلقہ ہوں۔ تائید کرتے ہوں یا ان کے متناقض ہو۔ اس وجہ سے اس دفعہ کی رو سے جو واقعات ماہر کی رائے سے یکسانیت رکھتے ہوں یا اس کے برعکس ہوں وہ قابل ادخال شہادت ہوتے ہیں۔

قتل میں جب دو ملزم ہوں اور الزام کہ دونوں نے فائر کیا۔ لیکن ڈاکٹر کی رائے ہے کہ ایک ہی فائر ہوا۔ جس کا نشان زخم موجود ہے۔ تو شک کی بنیاد پیدا کرتا ہے[55]۔ یہ واضح رہے قانون کسی بھی جرم میں کسی بھی شخص کی پیشہ وارانہ غفلت جرم میں اس کی انفرادی نوعیت اور ذمہ داری کے لیے معاف نہیں کرتا۔ لہٰذا ڈاکٹر کوتاہی بھی پیشہ وارانہ ذمہ داریوں کے حوالے سے قابل مواخذہ ہے۔

اثبات جرم سرقہ میں ماہرین کی رائے:

ماہر نشانات انگشت: شریعت اسلامی میں مال مسروق کا ملزم سے برآمد ہونا اثبات جرم کے لیے واضح قرینہ ہے۔ تاہم اگر سامان کا ہی پتہ نہ چلے یا چوری کا پتہ نہ ہو تو ایسی صورت میں چوری کا سراغ لگانے کے لیے جدید وسائل سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے اور ان میں ماہرین کی رائے شہادت قرائنی ہوگی۔ مثلاً کسی جگہ دو یا دو سے زیادہ اشخاص موجود ہوں اور وہاں چوری کا واقع ہو جائے تو ایسے صورت ہاتھوں کے نشانات (Finger Prints) کے ذریعے یا قیافہ کے ماہرین کی تجزیہ سے اصل مجرم کا سراغ لگا سکتے ہیں کیونکہ ہر انسان کے ہاتھوں کی لکیریں انگوٹھے کے نشانات دوسرے سے مختلف ہیں۔ اور اس سے حاصل ہونے ولی شہادت عینی گواہی سے زیادہ قطعی اور یقینی ہے واضح رہے کہ شریعت میں چوری کا مقدمہ دو گواہوں کی شہادت یا ملزم کے اقرار سے ثابت ہوتا ہے[56]۔

دفعہ ہذا کے تشریحی نوٹ میں بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی چور' میز' آئینہ یا کسی اور سامان پر ایسے نشانات چھوڑ جائے تو اس کا بعد میں اس کے نشانات انگشت سے مقابلہ کرنے سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ میز وغیرہ پر اس چور ہی کے نشانات تھے۔ ایسے مقابلہ کے بعد ماہر کی رائے کی دونوں نشانات ایک ہی شخص کے ہیں یا نہیں قابل ادخال شہادت ہوگی۔

لیکن جن وجوہات کی بنا پر ایکسپرٹ' نقوش کے ایک ہی ہونے پر رائے ظاہر کرتا ہے وہ ایسی ہونی چاہیں کہ دونوں نشانات کا مقابلہ کرانے پر معمولی ذہانت کے آدمی کی سمجھ میں بھی آجائیں۔ اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ خود جج کو بھی دونوں نشانات کا مقابلہ کرنے اور ایکسپرٹ کی رائے سنے کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچنا چاہیے اگر ایکسپرٹ کا بطور گواہ طلب نہ کیا گیا ہو اور اس پر جرح کی گئی ہو تو اس کی شہادت ناقابل ادخال ہوگی[57]۔

ایک مقدمہ میں فنگر پرنٹ ایکسپرٹ پیش ہوا جو فنگر پرنٹ بیورو میں تربیت یافتہ تھا اس نے نشانات انگشت کی صرف ۱۸ لکیروں (Ridges) کا مقابلہ کر کے اپنی رائے دی تھی۔ گو بغرض ملاحظ تمام لکیریں اس کو ارسال کی گئی تھی۔ قرار پایا کہ فنگر پرنٹ سائنس کے مطابق جب ۱۸ لکیریں کسی نشانات انگشت میں ملتی ہیں تو آسانی سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ باقی تمام بھی ملتی ہیں اور ایکسپرٹ (ماہر) کی رائے قابل اعتماد ہے[58]۔

خلاصہ و نتیجہ بحث:

دور حاضر میں جہاں جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے مجرم کی نشاندھی آسان ہوگئی ہے وہاں ماہرین کی رائے کو بھی قانون میں بطور اثبات جرم تسلیم کیا جاتا ہے اور اس میں ماہرین اسلامی فقہ بھی بطور ادخال عدالت جائز قرار دیتے ہیں۔ بلکہ فقہاء نے قرینہ کے ضمن میں قیافہ شناسی کو بھی بہت وقعت دی ہے۔ اور قرینہ کسی امر کے وقوع یا عدم وقوع پر دلالت کرنے والی کوئی ایسی نشانی ہے جو بذریعہ ماہر معلوم کی جاسکتی ہے اور متعلقہ امر واقع سے اس کا تعلق ہوتا ہے۔ قانون میں کسی واقعہ سے متعلق دلیل بلاواسطہ اور دلیل بالواسطہ شہادت صحت' حجیت' قدر معیار اور وزن میں ہم پلہ ہوتی ہے۔ قانون میں جہاں جرم سے متعلق بلاواسطہ دلیل دستیاب نہ ہو وہاں

عدالت ایسے ماہر کی رائے کی بناء جرم پر دلالت کرتے ہوں۔ ماہرین کے رائے سامنے رکھ کر مقدمہ کو نمٹایا جائے گا۔ جو ملزم کے مجرم ہونے پر دلالت کرتی ہوں۔

ماہرین فن کی رائے اثبات جرم میں عدالت بطور شہادت قبول کر سکتی ہے۔ تاہم ماہر کی شہادت احتیاط کے ساتھ لینی چاہیے کیونکہ قصداً وہ جھوٹ نہ بولیں مگر ان کی رائے بوجہ اس کے وہ مقدمہ کے ایک پہلو پر ہی خیال کرتے ہیں۔ اور وہ غلط رائے بھی دے سکتا ہے۔ جس طرح فوجداری جرائم میں قیافہ دانوں اور کھوجیوں کی خدمات حاصل کرنا جائز و مشروع ہے اسی طرح دیوانی مقدمات میں بھی ان کی مدد سے فیصلہ کرنا مشروع ہے۔ کیونکہ قیافہ شناس یا کھوجی ایسے افراد ہوتے ہیں جو متعلقہ فن میں ماہر ہوتے ہیں۔ دیگر مقدمات و معاملات میں ان کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ پوری ایمانداری کے ساتھ اپنی رائے قائم کرے۔ موجودہ دور میں یہ انتہائی مشکل ہے کہ کوئی اپنے فن کا ماہر ایمانداری سے رائے دے۔ لہذا بطور شہادت ان کے رائے کی بھی تزکیہ ضروری ہے اور یہ رائے جدید ٹیکنالوجی کی بدولت پرکھی جاسکتی ہے۔

۱۔ فقہاء ماہر فن کی رائے کو اثبات کا ذریعہ تو سمجھتے ہیں تاہم حدود کے مقدمات کے حوالے سے ان کی آراء مختلف ہیں۔ تمام فقہاء رائے کی بنیاد پر علی الاتفاق نفاذ تعزیر کو جائز سمجھتے ہیں۔

۲۔ اسلامی فوجداریت میں سزائے اصلی کے نفاذ کے حوالے سے ماہرین کی رائے اور دیگر بالواسطہ دلائل کو غیر مؤثر گردانا جاتا ہے۔ لیکن اس کی بنیاد پر تعزیری یا کوئی تبعی سزا نافذ کی جاسکے گی۔

۳۔ فقہاء اسقاط سزا کے لیے رائے کو مؤثر مانتے ہیں لیکن اثبات سزا کے لیے نہیں۔ بلکہ اس کی بنیاد پر مقدمہ خارج کیا جاسکتا ہے۔ ضابطہ قانون میں خصوصاً پاکستان پینل کوڈ میں رائے کو زیادہ مؤثر گردانا گیا ہے۔ اور اس کی بنیادی پر عدالت نے بعض مقدمات میں فیصلے دیے ہیں۔

۴۔ کسی جرم سے متعلقہ ماہر کی رائے میں کچھ اثبات اور کچھ نفی جرم کے ضمن میں ہیں۔

حواشی ومراجع:

1 ابن منظور، لسان العرب، دار صادر بیروت، سطن، مادة" رأی" ج۱۴، ص۳۰۶

2 حوالہ مذکور

3 حوالہ مذکور بذیل مادة" رأی"۔

4 راغب الاصفہانی، ابو القاسم الحسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، ابو القرآن، تحقیق: صفوان عدنان الداودی، دار القلم، دمشق، ط۱، ص۱۴۱۲ھ، ج۱، ص۳۷۵۔

5 ابو الفتح، ناصر بن عبد السید بن علی، برہان الدین، المغرب فی ترتیب المعرب، دار الکتاب العربی، ص۱۷۹۔

6 عثمانی، شبیر احمد، مقدمہ فتح الملہم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۶، ص۱۹۱۔

7 ابن القیم، محمد بن بن ابی بکر شمس الدین الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، تحقیق: محمد عبد السلام، دار الکتب العلمیہ بیروت، ط/۱، ۱۹۹۱ء، ج۱ ص۴۳۔

8 ولی اللہ، احمد، شاہ، حجتہ اللہ البالغتہ، دار الاشاعت کراچی، پاکستان، ص۲۷۳

9 شہرستانی، محمد بن عبد الکریم بن احمد، الملل والنحل، مؤسسۃ الحلبی، بیروت، ج ۲، ص ۱۲

10 حوالہ مذکور

11 ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد، تاریخ ابن خلدون، تحقیق: خلیل شحادۃ، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۸ء، ج ۱، ص ۵۶۴۔

12 ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد، تذکرۃ الحفاظ، دار الکتب العلمیہ بیروت۔ لبنان۔ ۱۹۹۸ء، ج ۱، ص ۱۱۸

13 الترمذی، سنن ترمذی، کتاب الاحکام، باب ۲، ابو داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیہ، احمد بن حنبل، مسند امام احمد بن حنبل، ج ۵، ص ۲۳۰۔

14 ابن عبد البر، عبد اللہ بن محمد، جامع البیا العلم وفضلہ، تحقیق: ابی الاشبال الزہیری، دار ابن الجوزی المملکۃ العربیہ السعودیہ، ط/۱، ۱۹۹۴ء، ج ۲، ص ۸۹۳

15 ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الطبری، تحقیق: محمد عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ۔ بیروت، لبنان، ط/۱، ۱۹۹۰ء، ج ۳، ص ۱۳۲

16 دارمی، عبد اللہ بن عبد الرحمن، سنن الدارمی المعروف بسنن الدامری، تحقیق: حسین سلیم اسد الدارانی، دار المغنی، المملکۃ العربیۃ السعودیہ، ط/۱، ۲۰۰۰ء، ج ۱، ص ۲۶۲۔

17 ابن القیم الجوزی، اعلام الموقعین: دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج ۱، ص ۴۳

18 حوالہ مذکور ص ۶۱

19 حوالہ مذکور، ص ۶۳

20 تنزیل الرحمن، جسٹس، ڈاکٹر، قانونی لغت، پی ایل ڈی پبلیشرز لاہور۔ ایڈیشن ۱۶، ۲۰۱۶ء ص ۲۱۸

21 Chancery Division , Landon, UK, p 65

22 شفیع، محمد، چوہری، شرح قانون شہادت، ایکٹ نمبر ۱ ۱۸۷۲، احسان الحق قریشی اینڈ سنز لاء پبلشرز اینڈ بک سلرز، لاہور ۱۹۶۲ء ص ۱۴۵

23 قانون لغت، ص ۲۱۹۔

24 قرآئن، قرینہ کی جمع ہے جب کہ قرینہ کی تعرف یہ ہے کہ کسی مطلوبہ چیز پر دلالت کرنے والی علامت کو قرینہ کہا جاتا ہے۔ (الجرجانی، علی بن محمد بن علی، التعریفات، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص ۲۵۲)۔

25 قیافہ قوف یعنی ق و ف سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی ہے کھوج لگانا، تلاش کرنا، ڈھونڈنا، نشانات دیکھنا اور پیچھا کرنا ان اوصاف و علامات کے حامل شخص کو عربی قائف اور اردو میں قیافہ دان یا قیافہ شناس کہا جاتا ہے۔ (ابن منظور، لسان العرب، دار صادر بیروت، مادۃ "" ق ی ف" ج ۹، ص ۲۶۱)

26 ابن القیم الجوزیہ، الطرق الحکمیہ، ص ۳۷۔

27 القنوجی، صدیق حسن بن حسن، علامہ، ابجد العلوم، مکتبہ قدسیہ، لاہور، ص ۳۲۶

28 طاش کبری زادہ، احمد بن مصطفی، مفتاح السعادۃ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج ۱، ص ۳۱۸۔

29 جرجانی، التعریفات ص ۱۷۱

30 ابن رشد، محمد بن احمد القرطبی، بدایۃ المجتہد مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکۃ المکرمہ، ج ۲، ص ۲۳۰۔

31 یہ الفاظ آرڈیننس ۲۰۰۲ میں اضافہ کے طور پر کیے گئے ہیں۔

32 سکینہ بٹ، قانون شہادت ۱۹۸۴ء، عمران لاء بک ہاؤس، لاہور، آرٹیکل ۵۹، ص ۲۲۶

33 Broom's Legale Maxims , p 930

34 Qanoon e Shahadat Order 1984 (law of evidence) (Law House, Lahore 2018) Article 59

35 ابن تیمیہ، تقی الدین احمد بن عبد الحلیم، الفتاوی الکبری، دار ابن کثیر، ج ۵، ص ۵۰۲

36 پی ایل ڈی ۱۹۸۴ء کوئٹہ ۱۱، این ایل آر ۱۹۸۴ ریونیو ۱۵۰ ڈی پی، ۱۹۸۰ء پاکستان کریمنل لاء جرنل ۱۸۶۔

37 ۱۹۸۳ء سی ایل سی ۶۵۷۔

38 تنزیل الرحمن، ڈاکٹر، جسٹس، قانون لغت، پی ایل ڈی پبلیشرس ۲۰۱۶، ص ۲۱۸۔

39 ابن القیم الجوزیہ، اعلام الموقعین، ج ۱، ص ۴۷۔

40 محمد شفیع، چوہری، ایڈوکیٹ، قانون شرح قانون شہادت، احسان الحق قریشی اینڈ سنز لاء پبلشرز اینڈ بک سیلرز کچہری روڈ لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۱۲۶

41 حوالہ مذکور دفعہ ۴۵

42 حوالہ مذکور

43 پاکستان کریمنل لاء جرنل ۱۹۷۶ء، ۱۲۱۲۔

44 شرح قانون شہادت ص ۱۲۶

45 حوالہ مذکور

46 مقدمہ، غلام بنام سرکار ۹۰ لاہور ۱۹۵۹ پی ایل ڈی۔

47 74 Kolkata 1942, p 239 Criminal Law Journal

48 قانون شہادت ۱۹۸۴، ص ۲۳۳

49 کریمنل لاء جنرل ص ۵۔

50 عودہ عبد القادر، التشریع الجنائی، ج ۲، ص ۳۳۹۔

51 ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی، سنن ماجہ، تحقیق: محمد فواد عبد الباقی، دار احیاء التراث العربیہ، ج ۲، ص ۶۵۵؛ حدیث نمبر ۲۵۵۹ء

52 ابن قدامہ، المغنی مطبعۃ المنار، مصر، ج ۱ ص ۱۸۹۔

53 قطب مصطفی سانو، معجم مصطلحات اصول الفقہ، دار الفکر، دمشق، ۲۰۰۱ء ص ۴۳۲

54 ابن القیم، الطرق الحکمیہ ج ۱ ص ۹۳۔

55 PLJ 1991 Pesh 6

56 کتاب الاختیار (ترجمہ، سلامت علی خان، لاہور فیروز پبلشرز، ۵۳

57 قانو شہادت ۱۹۸۴، ص ۲۲۹

58 پی ایل ڈی ۱۹۶۰ ڈھاکہ ۹۷۵۔